سوال ۱:- غزل کیا ہے؟ غزل کی ہیئت اور موضوعات کے متعلق اپنے تاثرات بیان کیجئے۔

یا تغزل سے کیا مراد ہے؟ اس کے موضوعات پر روشنی ڈالئے۔

جواب:- غزل کے لغوی معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا اور حسن و جوانی دل بافتگی کا افسانہ سنانا۔ صنف شاعری میں ان خیالات کے اظہار کو غزل کہا جاتا ہے۔ لیکن غزل اپنے تاریخی پس منظر کی بنا پر کبھی بھی محدود معنوں میں ''عورتوں سے بات کرنے'' پر موقوف نہیں رہی۔ ابتدا ہی سے عشق و عاشقی کے مضامین کے ساتھ رندانہ، خمریاتی، بہاریہ، اخلاقی اور مسائل تصوف کے مضامین بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

قصائد کے ابتداء میں عشقیہ اشعار کہے جاتے تھے، جس کو عربی میں تشبیب کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام آج غزل ہے۔

اصطلاحِ شعر میں غزل متفق الوزن اور متفق القوافی اشعار کے مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں کسی مفہوم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ ہر شعر آزاد، قائم بالذات، خود مکتفی، معنی کے اعتبار سے اپنی جگہ پر مکمل اور مستقل جداگانہ حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ شعر اول کے دونوں مصرعے مقفّٰی ہوتے ہیں۔ اس شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ مطلع کے علاوہ دوسرے تمام اشعار میں پہلا مصرع قافیہ سے آزاد ہوتا ہے اور صرف ثانی میں قافیے کی پابندی ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد والے ہم قافیہ شعر کو حُسن مطلع یا زیب مطلع کہتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر کو، جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اس کو مقطع کہتے ہیں۔

عام طور پر غزل میں مندرجہ ذیل امور کو قابل اعتناء خیال کیا جاتا ہے:-

(۱) قدیم شعراء اپنی غزلوں میں صرف ایک مطلع کہتے تھے۔ بعد کے شعراء نے اس تجدید کو غیر ضروری خیال کیا اور متاخرین نے کئی کئی مطلعے کہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

(۲) غزل کے اشعار کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ سترہ یا اس سے بھی زیادہ اشعار ملتے ہیں۔

(۳) اگر شاعر اپنی کسی غزل میں سترہ سے زیادہ اشعار کہنا چاہے تو سترہ کے بعد دوسرا مطلع کہہ کر مزید اشعار لکھ سکتا ہے۔ ایسے کلام کو دوغزلہ کہا جائے گا۔ اسی طرح سہ غزلہ اور چہار غزلہ بھی ہوسکتا ہے۔

(۴) غزل کے اشعار تعداد میں طاق ہونے چاہئے۔

(۵) اگر کوئی مضمون یا خیال ایک بیت کے دو مصرعوں میں نہ سمائے تو شاعر اس مفہوم کو دو یا دو سے زیادہ ابیات میں ادا کرسکتا ہے۔

غزل کے موضوعات کے متعلق یہ بات بالکل واضح ہے کہ اردو اور فارسی میں موضوعات کا ماخذ یا سرچشمہ دراصل وہ تخئیل ہے جو اسلام سے پہلے اور طلوعِ اسلام کے بعد عربی زبان کے قصیدے کا طرۂ امتیاز تھا۔

مولانا حالؔی نے اپنی تصنیف مقدمہ شعر و شاعری کے موضوعات کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:-

> ''صدرِ اسلام کی شاعری میں جب تک کہ غلامانہ تخلیق اور خوشامد نے اس میں راہ نہیں پائی، تمام سچے جوش اور ولولے موجود تھے۔ جو لوگ مدح کے مستحق ہوتے تھے، ان کی مدح اور جو ذم کے مستحق ہوتے، ان کی مذمت کی جاتی تھی۔ کوئی منصف اور نیک خلیفہ یا وزیر مرجاتا تھا، اس کے دردناک مرثیے لکھے جاتے تھے اور ظالموں کی مذمت ان کی زندگی میں کی جاتی تھی۔''

غزل کی نشو و نما چونکہ قصیدہ کے تشبیب سے ہوئی ہے، اس لئے بنیادی طور پر غزل کے موضوعات میں ذکر شباب کے تحت عشق و محبت، رندی و سرمستی، شراب و کباب، گلشن و گلزار، رعنائی بہار، جورِ گردوں، جفائے زمانہ، محرومی و نامرادی، آشفتگی و شوریدہ سری آتے ہیں۔

اساتذۂ سخن نے غزل کے موضوعات میں طول و عرض اور وزن و عمق کے اعتبار سے اضافوں اور ترقیوں کا عمل مسلسل طور پر جاری رکھا اور غزل میں ہر نوع کے مضامین کے تازہ بتازہ

Scanned with CamScanner

عنوانات کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

غزل کے مضامین اور موضوعات کے متعلق مولانا شبلی نے شعر العجم میں غزل کی وسعت اور تنوع کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

(۱) عشق کی حقیقت اور اس کے آثار محبوب کی کج ادائیاں، بدعہدی۔ رقیب، وارداتِ عشق، محبوب کا ظلم رقیب کی موت، معشوق کی مخفی آزردگی، معشوقانہ ناز، عاشق کی بے صبری وغیرہ۔

(۲) تصوف کے تحت رضا، توکل، صبر، فنا، بقا، محویت وغیرہ داخل غزل ہوئے ہیں۔

اردو غزل کے اولین غزل گو شاعروں میں ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی اور رفیع اللہ آزاد وغیرہ نے فارسی غزل کی نقالی کی ہے اور موضوعات کے انتخاب میں کوئی جدت اختیار نہیں کی ہے۔ لیکن غالبؔ نے اردو کی روایتی موضوع سے الگ ہو کر سیاسی، سماجی، تمدنی اور فلسفیانہ افکار کو داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔

الغرض حسن و عشق کی داستان کے علاوہ سوز و ساز زندگی جو کبھی فرسودہ نہ ہوگی۔ اسی طرح حکمت و اخلاق اور تصوف کے نکات بھی غزل کے اصل موضوعات ہیں۔ لیکن غزل میں اصل موضوع ہمیشہ عشق مجازی ہی رہا ہے۔ غزل گو شاعر کے نزدیک عشق پوری زندگی پر حاوی ہے۔ زیست کا مزہ بغیر عشق کے ممکن نہیں ہے۔ یہ درد کی دوا ہے اور خود ایسا درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں ؎

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا (غالبؔ)

دوسری جگہ غالبؔ نے عشق کو اس آگ سے تشبیہہ دی ہے جس کا نہ تو لگنا ہی قابو میں ہے اور نہ بجھنا ؎

عشق پر زور نہیں یہ ہے وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے (غالبؔ)

اردو کے تغزل کا میلان ہر عہد میں زیادہ تر عشق مجازی کی طرف رہا گرچہ شاعروں نے مجاز کی غزل سے آگے بڑھ کر حقیقت کے رموز و اسرار کی بھی نقاب کشائی ہے۔ مجازی حسن چاہے کتنا نامکمل اور زوال پذیر کیوں نہ ہو، لیکن اس کی گہرائیاں عالمگیر اور جمالیاتی تجربہ خود علم کی اعلیٰ ترین صورت

Scanned with CamScanner

ہے۔جس کی بدولت صداقت اور افادیت کے تضاد کو رفع کیا جا سکتا ہے۔

عاشقانہ شاعری کا اعلیٰ ترین مقام عشقِ الٰہی یا عشقِ اقدار ہے۔ان دونوں کے درمیان عشق مجازی یا ہوس پرستی ہے۔جگر مراد آبادی نے ایک موقع پر عشق حقیقی کو عشق مجازی کے پرتو سے تعبیر کیا ہے۔حالانکہ صوفیانہ تغزل میں مجاز کو حقیقت کا پرتو بتاتے ہیں۔جگر کے اس نقطۂ نظر میں تغزل کی حقیقی روح کارفرما ہے ۔

صوفی نے جس کو شاہد مطلق سمجھ لیا
اک پرتوِ لطیف تھا حسن مجاز کا (غالبؔ)

اردو تغزل میں عشق مجازی کی وارداتوں اور معاملوں کو پیش کرنے کے انتہائی لطیف نکتے ملتے ہیں ۔

جو تو ہی صنم ہم سے بیزار ہوگا
تو جینا ہمیں اپنا دشوار ہوگا

الغرض اردو غزل کی ہیئت اور موضوعات کے بے شمار پہلو نظر آتے ہیں۔اہل نظر کو غزل کے مجاز میں حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے۔معرفت الٰہی، بغیر معرفتِ نفس اور معرفتِ کائنات ممکن نہیں ہے۔

بقول غالبؔ ۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوۂ واوا کیا ہے؟

غالبؔ سے پہلے میر دردؔ کے یہاں خاص طور پر عالم انوار و اقدار اور عشق حقیقی کی زمزمہ سنجی ملتی ہے۔تصوف تغزل سے ایسا ہم آہنگ ہے کہ ہر اعلیٰ درجے کے غزل گو کے کلام میں اس کی تھوڑی بہت چاشنی موجود ہے۔

Scanned with CamScanner